ہندوستان میں عُلوم عربیہ اسلامیہ کی نشوونما

ڈاکٹر ساجدہ محمّد حسین بٹ

ہندوستان میں عُلوم عربیہ اِسلامیہ کی آمد اور نشر و اشاعت

برصغیر پاک و ہند میں اہلِ عرب کی آمد کا آغاز ساتویں صدی قبل از مسیح میں ہوا[۱]۔ سمندر کے آمنے سامنے کے خشکی کے ان دو کناروں کے درمیان آمد و رفت اور روابط کی بنیاد تجارت تھی۔ یہ تجارت تین راستوں سے ہوتی تھی۔ ان میں سے دو راستے عرب سے ہوکر گزرتے تھے[۲]۔ انہی دو راستوں میں سے ایک راستہ یمن سے حجاز اور پھر شام سے ہوکر [بلوچستان کی بندرگاہ تیز، سندھ کی بندرگاہ دیبل (کراچی) گجرات اور کاٹھیاوار کی بندرگاہ تھانہ (بمبئی)، کھمبایت] آتا تھا[۳]۔

---

۱ سلیمان ندوی: عرب و ہند کے تعلقات، مطبوعہ سندھ آفسٹ پرنٹرز میشن روڈ کراچی ۱۹۷۶ء ص ۱۱ - ۱۲؛
اشتیاق حسین قریشی: برعظیم پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ، مطبوعہ کریم سنز جمشید روڈ کراچی نمبر ۵ ۱۹۷۶ء، ص ۱ - ۷،

۲ عبدالمجید سالک: مسلم ثقافت ہندوستان میں، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کلب روڈ لاہور، بار سوم ۱۹۸۲ء ص ۱ - ۴
عبدالحی الحسینی: الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند، دمشق ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء، ص ۹ - ۱۰ - اور
Encyclopedia Britannica, Cambridge at Universi'y Press.191, Vol.XIV P.264

۳ مثال کے طور پر مفسرین نے سورۃ الحجر (آیت: ۷۹) اور سورۃ القریش (آیت: ۱ - ۲) سے بھی یہی تجارتی راستہ مراد لیا ہے۔ نیز دیکھیے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام: ۵: ۸۳۸؛ اور برعظیم پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ ص ۱ - ۴؛

زمانۂ اسلام کے بعد بھی عرب و ہند کے مابین یہ روابط منقطع نہیں ہوئے، بلکہ ان میں اضافہ ہوا۔ ابتداء میں مسلم عرب ساحلِ ہند، لنکا اور جزائر شرق الہند میں بحیثیت تاجر روشناس ہوئے[1] ان ایام میں جنوبی ہند میں "برہمنیت" بدھ مت اور جین مت کے خلاف برسرِ پیکار تھی۔ شمال میں ان دونوں دھرموں کی بیخ کنی ہو چکی تھی، جبکہ جنوب میں یہ اپنے بچاؤ میں مشغول تھے۔ عربوں نے یہاں آکر اپنی نوآبادیاں قائم کیں بعض مقامات پر نوآبادیاں اتنی بڑھ گئیں کہ مسلمانوں کی تعداد کل آبادی کا بیس فیصد ہو گئی، جس سے ہندوستان میں دینِ اسلام نہایت سرعت سے خصوصی طور پر ان مقامات پر پھیل گیا جہاں بدھ مت ہندو مت کے زیر اثر نہیں آیا تھا۔ اسلام لانے کے بعد ان مسلمانوں کو ایک بنیادی عبادت گاہ کی ضرورت تھی لہذا اس بنیادی احتیاج کو مدِنظر رکھتے ہوئے مسلمانوں نے مساجد تعمیر کیں۔ ہر نوآبادی میں مسلمانوں کے لیے ایک مسجد، ایک تربیت یافتہ عالم اور مسلم قاضی بھی ہوتا تھا[2] یہی مساجد مدرسے بنیں اور یہاں کے لوگوں کو علومِ عربیہ و اسلامیہ سے روشناس کروایا۔

عرب و ہند کے سیاسی تعلقات بھی علومِ عربیہ و اسلامیہ کی اشاعت کا سبب بنے ان سیاسی تعلقات کا آغاز خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ (۱۳-۲۳ھ/ ۶۳۴-۶۴۴ء) کے عہدِ خلافت میں اسلامی لشکر کے ساحلِ مکران اور بمبئی میں مقام تانہ (تھانہ (Thano)) تک آنے سے ہوا[3] بڑوچ دیبل کی کی طرف مہمات بھیجی گئیں لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے مزید مہمات کو بند کر دیا[4] اس سے ثابت ہوتا ہے

---

[1] Otto Spies: An Arab Account of India in the 4th Century, Being a translation of the chapters of India, from Al-Qaqashandi's Sub-ul-Asha, 1936, Stuttgart, p.3

[2] ابو عبداللہ ابن بطوطہ: رحلۃ ابن بطوطہ المسماۃ تحفۃ النظار فی غرائب الامصار و عجائب الاسفار، بیروت ۱۳۰۵ م، ج ۲ ص ۶۳؛ برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ ص ۹۔

[3] سید عبدالحی: رسالہ یادِ ایام [illegible] انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کالج ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء، ص ۶؛ اور
Eliot and Dowson: History of India, Vol.1 P.115-116

[4] عرب و ہند کے تعلقات ص ۱۹۰

کہ مسلمانوں نے ہندوستان پر اس وقت تک فوج کشی نہیں کی جب تک کہ وہ مجبور نہ ہوئے بالآخر ولید بن عبدالملک (۸۶-۹۶ھ/۷۰۵-۷۱۵ء) کے عہد خلافت میں محمدؐ بن قاسم نے سندھ اور ملتان تک کا علاقہ فتح کیا[1] اور اپنی زبان، تہذیب و ثقافت ورثہ میں چھوڑ گئے۔

سرزمین ہند کا یہ حصہ براہ راست خلافت اموی، عبّاسی، صفوی اور قرامطہ کے تحت رہا۔ عربوں کا عہد اس خطۂ ارض پر مسلمانوں کا وہ پہلا دور ہے جو ۹۴ھ/۷۱۲ء سے ۳۹۱ھ/۱۰۰۰ء تک رہا ان دنوں یہاں کی علمی زبان عربی تھی۔ دوسرا دور سلاطین کا ہے جو ۳۹۱ھ/۱۰۰۰ء سے ۹۳۳ھ/۱۵۲۶ء تک ہے اس پانچ سو سالہ عہد میں عربی کی جگہ تہذیبی مشاغل کے لیے فارسی زبان نے لے لی لیکن علوم عربیہ و اسلامیہ عربی زبان ہی میں پروان چڑھے۔ یہ وہ دور تھا جس میں عربی زبان و ادب کی بڑی خدمت ہوئی۔ اس دور میں تفاسیر اور عقائد کی مستند کتابوں پر حواشی اور شروح لکھی گئیں۔ عربی زبان کی لغات بھی تیار ہوئیں۔ تیسرا دور مغلیہ عہد ہے یہ ۹۳۲ھ/۱۵۲۶ء سے ۷۴-۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء تک ہے۔ اس عرصہ میں پندرہ سالہ عہد سوری بھی شامل ہے۔ اس عرصہ میں فارسی علم و ادب کی بڑی پذیرائی ہوئی، لیکن مذہبی علم و مسائل کی زبان عربی ہی رہی گویا اس طویل عرصہ میں جو کام ہوا وہ عربی زبان میں ہی تصنیف ہوا۔ مغلیہ دور زوال (۱۲۷۵ھ/۱۸۵۷ء) کے بعد آج تک کا زمانہ عہد جدید ہے۔ اب ہمیں ان ادوار کا مختصراً جائزہ لینا ہے۔

پہلا دور: (۹۳-۹۴ھ/۷۱۲ء سے ۳۹۱ھ/۱۰۰۰ء)۔

سندھ اور ملتان میں علوم اسلامیہ کی ترویج

سب سے پہلے علم کی کرنیں ملتان اور سندھ کی سرزمین پر پھیلیں[2] یہ عہد "عہد عربی" کہلاتا ہے۔ عربوں نے علوم عربیہ و اسلامیہ کی نشر و اشاعت میں "دَعْ مَاکَدَرَ وَخُذْ مَا صَفَا" کے اصول پر عمل کیا جس کے تحت انھوں نے ہندی کتب کو عربی میں منتقل کر کے ان سے مطالب اخذ کیے اس ضمن کی علم ہئیت پر "سدھانت" پہلی کتاب ہے جس کا عربی زبان میں 'السندھ ہند' کے نام سے ترجمہ ہوا[3] متعدد ہندی

---

[1] سید عبدالحی رسالہ یادایام ص ۶۰۵

[2] عبدالحی الحسینی: الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند، مطبوعہ دمشق ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸م، ص ۱۰۔

[3] نوٹ: پہلی مرتبہ محمدؐ بن موسیٰ الخوارزمی نے اس کا عربی ترجمہ کیا اور آخر میں البیرونی نے ایک کتاب لکھی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ ڈاکٹر زبید احمد: عربی ادبیات اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۷۳ء، لاہور ص ۳۷

کتب جزیرہ نمائے عرب لے جائی گئیں اور ان کے تراجم ہوئے ان میں سے بیشتر کتب ہندی فلسفہ، حکمت، کیمیا، طب، ویدانت، علم جوتش، جادو منتر، علم ہیئت، علم حساب وغیرہ کے متعلق تھیں۔ "مہابھارت" کا خلاصہ بھی عربی میں کیا گیا۔ اس کے علاوہ "کلیلہ و دمنہ" "بوذاسف و بلوہر" بھی قابلِ ذکر ہیں[۱]۔ یہاں سب سے پہلے کتاب تصنیف کرنے والے عالم ابوحفص محدث بصری ہیں۔ آپ تبع تابعین میں سے تھے۔ عربوں کے ابتدائی زمانہ میں سندھ تشریف لائے تھے[۲]۔ اس دور میں منصورہ (بھکر)، دیبل (ٹھٹھہ) اور ملتان علومِ عربیہ و اسلامیہ کے اہم مراکز تھے۔ ابومعشر نجیح سندھی محدث دوسری صدی ہجری میں دیبل میں سیرت کے امام مانے جاتے تھے۔ ابوعطا سندھی جنہیں حضرت بایزید بسطامیؒ کے استاد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مولانا جامیؒ نے "شرح شطحیات" میں شیخ روزبہان بقلی کے حوالے سے لکھا ہے "بایزید گوید من از ابوعلی فنا در توحید آموختم و ابوعلی از من الحمد و قل ہو اللہ احد[۳]" مگر دسویں عیسوی کے آخر میں قرامطہ نے ملتان پر حملہ کیا اور اسے اپنے عقائد کی اشاعت کا مرکز بنایا۔ کتاب الانساب میں ان علماء اور محدثین کا ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے دیبل میں شمع علم منور کی۔

دوسرا دور یعنی دورِ سلاطین (۳۹۱ھ/۱۰۰۰ء سے ۹۳۳ھ/۱۵۲۶ء):

د۔ غزنوی عہد

ملتان کے بجائے لاہور محمود غزنوی کے عہد میں اسلامی حکومت کا دارالسلطنت قرار پایا۔ اس نے ایشیائی ممالک کے ممتاز ترین علماء کی سرپرستی اور انہیں اپنے دربار میں جگہ دی جس سے لاہور بھی علم و ادب کا مرکز بن گیا، یوں لاہور اور ملتان علومِ عربیہ و اسلامیہ کے دو اہم مراکز بن گئے۔ سلطان محمود غزنوی نے خود فقہ اسلامی پر "الفرید فی الفروع" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس دور میں ابوریحان البیرونی ہندوستان آئے۔ انہوں نے اپنی کتاب "قانونِ مسعودی" مسعود غزنوی کے نام

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام الف لیلۃ و لیلۃ پروفیسر میکڈونل مجلہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۲۴ء ص ۳۵۴، اور ملاحظہ ہو ابن ندیم: الفہرست ص ۳۰۵

[۲] مولوی رحمٰن علی: تذکرہ علمائے ہند، بارِ دوم مطبع منشی نول کشور لکھنؤ ۱۹۱۴ء ص ۳، غلام علی آزاد: سبحۃ المرجان فی آثارِ ہندوستان، مطبوعہ بمبئی ۱۸۸۶ء، ص ۲۶

[۳] مولانا نور الدین عبدالرحمٰن جامی: نفحات الانس، نول کشور لکھنؤ ۱۹۱۰، ص ۶۰۔

منسوب کی جو خود بھی اہلِ علم کا قدر دان تھا اور 'الدستور' سلطان مودود کے نام معنون کی[1]۔ کتاب 'الہند' اور 'آثار الباقیہ' (تحریر کردہ ۱۰۰۱ء) کے علاوہ ایک سو چودہ سے زائد آپ کی تصنیفات ہیں۔ قاضی ابو محمد ناصحی نے فقہ مسعودی کے نام سے ایک کتاب لکھی اور سلطان شہاب الدین مسعود کے نام منسوب کی[2]۔ ان ایام میں لاہور کو چونکہ مرکزی حیثیت حاصل تھی لہٰذا یہ کشش قابلِ قدر علماء کو دور دراز مقامات (بلخ و بخارا) سے یہاں کھینچ لائی۔ شیخ محمد اسماعیل (م ۴۴۸ھ/۱۰۵۶ء) ہندوستان آنے والے پہلے مفسر و محدث تھے۔ آپ مسعود غزنوی کے عہد میں یہاں تشریف لائے۔ مسعود بن سعد سلمان سلطان مسعود ثالث کے دربار سے وابستہ تھے۔ آپ عربی کے علاوہ فارسی اور ہندی کے شاعر بھی تھے۔ متذکرہ تینوں زبانوں میں آپ کے دیوان ہیں۔ آپ کا فارسی دیوان فارسی کے مشہور شاعر سنائی صاحب مثنوی حدیقۃ الحقیقت یا حدیقہ نے مرتب کیا۔ لاہور غزنی کو رونق بخشنے والے شیخ علی بن عثمان ہجویری اللاہوری (پ ۳۸۰ھ/۱۰۰۹ء - ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء) تشریف لائے۔ آپ نے تصوف میں دین کی بہت خدمت کی مگر آپ کا کلام فارسی میں ہے۔ کشف المحجوب، کشف الاسرار، منہاج الدین، البیان لاہل العیان آپ کی تصنیفات میں سے ہیں[3]۔ الغرض ابراہیم غزنوی کے عہد (۴۵۱ھ/۱۰۵۹ء - ۴۸۹ھ/۱۰۹۵ء) میں لاہور علمی سرگرمیوں کا گہوارہ بن گیا۔ اچہ (ریاست بہاولپور) میں تبلیغ دین کی بنیاد شیخ صفی الدین گازرونی نے رکھی[4]۔ یوسف گردیزی ملتانی، خواجہ ابو اسحاق گازرونی سید احمد المعروف بہ سلطان سخی سرور، شیخ عزیز الدین مکی لاہوری، سید احمد توختہ ترمذیؒ ثم لاہوری وغیرہم نے اپنی زندگیاں اشاعتِ علوم عربیہ و اسلامیہ کے لیے وقف کیں۔

غوری عہد: (۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء - ۶۰۲ھ/۱۲۰۶ء) میں بہت سی قابلِ قدر اور عظیم ہستیاں آسمانِ علم و ادب پر آفتاب بن کر چمکیں۔ ان میں خواجہ معین الدین السجزی الاجمیری چشتی (م ۶۳۴ھ/۱۲۳۶ء)[5] عظیم ترین ہیں۔ آپ (۵۵۶ھ/۱۱۶۱ء) میں ہندوستان

---

[1] مولانا رحمان علی: تذکرہ، ص ۲۳، ۱۷۹؛ ڈاکٹر زبید احمد: عربی ادبیات ص ۱۱،

[2] ابوالحسنات ندوی: ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، مطبوعہ امرتسر تاریخ ندارد، ص ۲۰،

[3] علامہ ابوالفضل: آئینِ اکبری (مترجم مولوی محمد فدا علی) سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ج ۲ ص ۳۲۸

[4] ابوالحسنات ندوی: ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، امرتسر، تاریخ ندارد، ص ۲۰

[5] شیخ عبد الحق محدثؒ: اخبار الاخیار میں آپ کی تاریخ وفات ۶۲۷ - ۶۳۳ھ لکھی ہے۔

تشریف لائے۔ آپ کو سلطان الہند ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ صوفیا کے سب سے مقبول طبقہ اصحاب چشت کے پہلے بزرگ ہیں۔ آپ کے نامور مرید قطب الدین بختیار الاوشی کاکی (کعکی) بھی آپ کے ہمراہ آئے۔ آپ نے پہلے لاہور پھر ملتان قیام کیا بالآخر اجمیر کو مستقل قیام گاہ بنایا[1]۔ مقدم الذکر نے راجپوتانہ میں دین اسلام کے فروغ کے لیے اپنی خدمات انجام دیں جبکہ مؤخر الذکر نے دہلی میں اپنی تمام تر کوششیں دین اسلام کے پھیلانے میں صرف کیں۔ آپ کی مساعی شب و روز سے تمام ہند میں آپ کے مرید پھیل گئے۔ اسی عہد میں اشاعت علوم عربیہ و اسلامیہ کی ترویج و ترقی کے لیے امام فخر الدین رازی نے بہت زیادہ کام کیا۔ غیاث الدین غوری اور شہاب الدین غوری دونوں آپکے بہت معتقدین تھے ان سب حضرات نے علوم عربیہ و اسلامیہ کی بہت خدمت کی۔ آپ نے اپنی 'لطائف غیاثی' اور دیگر کتب لکھیں اور ان تصنیفات کو غیاث الدین ابو الفتح کے نام معنون کیا[2]۔

عہدِ غلاماں (۶۰۲ھ/۱۲۰۶ء - ۶۸۹ھ/۱۲۹۰ء)

شہاب الدین غوری کے بعد قطب الدین ایبک ملقب 'الرشید' نے ۵۰۹ھ/ ۱۱۱۵ء میں لاہور کے بجائے دہلی کو ہندوستان کا دار السلطنت بنایا[3]۔ دار السلطنت ہونے کی وجہ سے دہلی بہت جلد علوم عربیہ و اسلامیہ کا مرکز بن گیا۔ عہد غلاماں میں ناصر الدین قباچہ، التمش اور بلبن نے گلستان علم کی خوب آبیاری کی۔ سلطان التمش کے عہد میں بخارا کی تباہی کے بعد بہت سے علماء و مشائخ دہلی تشریف لائے اور وہیں پناہ گزین ہوئے تاج الدین سنگریزہ سلطان شمس الدین اور اس کے جانشین رکن الدین کے عہد میں دبیر الملک کے منصب پر فائز ہوئے عہد شمسی کے معروف و ممتاز محدث اور ماہر لسانیات رضی الدین حسن الصغانی (صاغانی) لاہوری تھے۔ آپ بحیثیت سفیر التمش کے دربار سے وابستہ رہے ناصر الدین (م ۶۲۲ھ/ ۱۲۲۵ء) اور رضیہ سلطانہ کے دربار میں خلیفہ مستنصر باللہ (۶۳۴ھ/۱۲۳۶ء) کی طرف سے سفیر بن کر آئے[4]۔ آپ کی تالیفات 'مشارق الانوار النبویۃ فی صحاح الاخبار المصطفویۃ'، 'مجمع البحرین'

---

[1] آئین اکبری: ج ۲، ص ۳۲۸،

[2] عبد القادر بدایونی: منتخب التواریخ، منشی نول کشور لکھنؤ ۱۷۸۶ء، ج اول ص ۵۷،

[3] ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، ص ۲۱؛ الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند، ص ۹،

[4] عبد الحئ لکھنوی الحسینی: نزہۃ الخواطر وبهجۃ المسامع والنواظر، دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن (بھارت) ۱۹۵۹ء ج ۲ ص ۴۰،

(فی اللغۃ) اور "العباب الزاجر واللباب الفاجر" قابل ذکر ہیں۔ آپ کو ناصر الدین اور بلبن سے "صدر جہاں" کا خطاب بھی ملا[1] ان نامور شخصیات کے علاوہ سراج جرجانی صاحب طبقات ناصری، شمس الدین دبیر استاد سلطان المشائخ اور دبیری، منشی گری، ندیمی، ملکی کے مراتب سے سنوفی صاحب ہندوستان" یعنی (وزیر خزانہ) مقرر ہوئے[2] قاضی القضاۃ وجیہ الدین کاشانی اور شیخ الاسلام نورالدین المبارک غزنوی بھی تھے[3]

عہد بلبن: (۶۲۳ھ/۱۲۶۶ء - ۶۸۵ھ/۱۲۸۶ء)

غیاث الدین بلبن کے دور میں دہلی کا چپہ چپہ مثل بغداد و قرطبہ تھا[4] اسی دور میں حضرت شیخ کبیر فریدالدین گنج شکر، شمس الدین توسجی، شمس الدین بن محمود خوارزمی، مولانا سنجری، برہان الدین محمود خلجی، برہان الدین بزاز، مولانا نجم الدین دمشقی، عبدالعزیز دمشقی، مولانا شیخ سراج الدین سنجری، مولانا شرف الدین دلوانجی، جمال الدین احمد خطیب الاشفورقانونی (۶۱۶ھ ۱۲۱۹ء) دہلی ہجرت کرکے آئے۔ آپ کی کتاب "عنوان القضا و عنوان الافتاء" (سال تالیف ۶۴۲ھ/۱۲۴۴ء) ہند میں فقہ پر پہلی تصنیف ہے۔ قاضی حمید الدین ناگوری (م ۶۰۵ھ/۱۲۰۸ء) اور سلیمان بن عبداللہ الہاشمی التتمش کے دور کے نامور عالم ہو گزرے ہیں۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے مگر افسوس کہ ان کی کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔ بقول فرشتہ "سلطان بلبن کا عہد حکومت خیر العصر تھا" جس میں بڑے بڑے علماء اور اولیائے ہند موجود تھے مولانا شمس الدین محمد بن محمود الخوارزمی سلطان بلبن کے کہکشانی دور میں معروف و مشہور معید تھے[5] اسی دور کے بہاؤالدین زکریا ملتانی (م ۶۶۱ھ/۱۲۶۲ء)[6] اور امام ابوحنیفہ سندھی بھی قابل ذکر ہیں مگر افسوس ہے کہ غزنوی اور غوری ادوار کی عربی زبان میں ہندی مصنف کی کوئی تصنیف غالباً موجود نہیں ہے البتہ عہد

---

[1] مسلمانانِ ہند کا نظامِ تعلیم و تربیت ج اوّل، ص ۱۰۹

[2] محمد قاسم فرشتہ: تاریخ فرشتہ، مطبع نول کشور لکھنؤ، تاریخ ندارد، ج ۱، ص ۱۱۵؛ ہندوستان کے سلاطین و مشائخ پر ایک نظر ص ۲۵

[3] عبدالحیٔ الحسنی: الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند ص ۱۰ - ۱۱

[4] محمد قاسم فرشتہ: تاریخ، مطبع نول کشور لکھنؤ، تاریخ ندارد، ج اوّل، ص ۱۱۵۔

[5] نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۴۱، منتخب اللباب ص ۲۳۱۔

[6] سیر المتاخرین ج اول، ص ۲۳۰؛ محمد بختاور خان: مرآۃ العالم (تاریخ اورنگ زیب) ج دوم بہ تصحیح و مقدمہ و حواشی ساجدہ علوی، ادارۂ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب لاہور، بار اول ۱۹۷۹ء ص ۴۲۵۔

غلامان (یعنی ترکی عہد) کی چند عربی تصانیف موجود ہیں۔ شہاب الدین القلقشندی (م ۸۲۱ھ/۱۴۱۸ء) کا قول ہے کہ" یہاں دہلی میں ایک ہزار مدرسے ہیں ایک شافعیوں کا اور باقی حنفیوں کے ہیں[1] جس سے اس دور میں علم کے فروغ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

سلاطینِ خلجیہ (۶۸۹ھ/۱۲۹۰ء - ۷۲۰ھ/۱۳۲۰ء)

ان سلاطین کی کل مدّت حکومت چالیس برس سے بھی کم تھی لیکن علماء کی کثیر تعداد اس دور کے سلاطین کی علم دوستی کا بیّن ثبوت ہے۔ فرشتہ نے اس عہد کے چالیس عظیم علماء کا تذکرہ کیا ہے۔ جبکہ ضیا برنی نے چھیالیس کا ذکر کیا ہے[2] مگر ان کی تصانیف کم ہیں سلاطینِ خلجی کا پہلا سلطان (جلال الدین) خود شاعر تھا۔ اس کے اشعار کتبِ تواریخ میں ملتے ہیں[3]۔ عز الدین بختیار خلجی نے بنگالہ میں بہت زیادہ مدرسے، مسجدیں اور زاویے تعمیر کرواکر اشاعتِ علوم عربیہ و اسلامیہ کو بہت فروغ دیا[4]۔ اس دور میں ضیا بیانوی، ظہیر لنگ، اور قاضی مغیث الدین جیسے محقق اہلِ علم موجود تھے۔ اسی دور میں ملک الشعراء امیر خسرو (جن کے عربی اشعار کا مجموعہ 'اعجازِ خسروی' میں درج ہے، ان کی ایک تصنیف مناقبِ ہندوستان بھی ہے جواب ناپید ہے) اور شہاب الدین صدر نشین نے عربی شاعری کو عزت بخشی۔ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء محمد بن احمد (م ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء) علاؤ الدین خلجی کے زمانے میں ممتاز علماء و صوفیاء میں سے تھے۔ آپ کا خطبہ بڑی قدر و منزلت سے سنا جاتا تھا[5]۔ خواجہ نجم الدین حسن سنجری المعروف امیر حسن (م ۷۳۸ھ/۱۳۳۱ء) صاحبِ فوائد الفواد، امیر خسروؒ آپ کے بہت معتقد تھے۔ ان سب نے دینِ الٰہی کے پھیلانے میں اپنی تمام تر کاوشیں صرف کیں۔

اسی عہد کے علماء میں ایک ہندی مسلمان شیخ صفی الدین محمد بن عبد الرحمٰن الارموی الشافعی الہندی

۱؎ Ottospies: Translation 'Subh-ul-Asha', Vol.5, P.69

۲؎ ضیا برنی: تاریخ فیروز شاہی ص ۳۵۲؛ سید صباح الدین عبد الرحمٰن: ہندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء ص ۸۶

۳؎ منتخب التواریخ ج ا ورص ۹۴

۴؎ نزہۃ الخواطر: ۱: ۲۰۷

۵؎ منشی غلام حسین خان طباطبائی: سیر المتاخرین بار دوم مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۷ء ج ا ص ۲۲۱؛ منتخب التواریخ ج ا ص ۱۹۶

(م ۷۱۵ھ/۱۳۱۵ء) ہوئے ہیں۔ انہوں نے علم الکلام اور اصول فقہ میں بلند مقام حاصل کیا تھا۔ آپ کی تصانیف "الفائق فی اصول الدین" اور "الرسالۃ التسعینیۃ فی اصول الدینیۃ" اس امر کا بیّن ثبوت ہیں۔ علاء الدین خلجی کے دور میں تاج الدین مقدم، حمید الدین مخلص شمس الدین یحیٰ، ظہیر الدین بھکری، فخر الدین ہانسوی، فرید الدین شافعی، محی الدین کاشانی، وجیہ الدین رازی، خواجہ ضیاء الدین شامی (صاحب نصاب الاحتساب) اور ضیاء برنی جیسے باکمال علماء تھے، ان کے بارے میں ضیاء برنی کچھ اس طرح رطب اللسان ہیں "دنیا میں ان کا جواب نہیں تھا"[1]

غلاماں اور خلجی عہود میں سلاطین، امراء اور مشائخ نے نشر و اشاعت علوم عربیہ و اسلامیہ کا قرار واقعی حق ادا کیا جس کے صلہ میں ملتان، لاہور اور دہلی کے علاوہ اوچ، اجودھن (پاکپتن) ہانگو، جالندھر، بدایوں، جونپور، رنگ پور، لکھنو، قندھار، جیول، گلبرگہ، بیدر، جنیر، دولت آباد، ایلچ پور اور برہانپور وغیرہ مقامات میں علمی درسگاہیں قائم ہوئیں[2]

عہد تغلق (۷۲۰ھ/۱۳۲۰ء - ۸۱۵ھ/۱۴۱۴ء)

سلطان غیاث الدین غازی تغلق مذہب اور علماء کا بہت احترام کرتے تھے۔ انکے دربار میں حضرت نظام الدین اولیاء کے ساتھ حلت و حرمتِ سماع پر مناظرہ کا واقعہ اکثر وقائع نگاروں نے وضاحت سے لکھا ہے[3]۔ محمد بن تغلق علوم و فنون کا ماہر اور بے حد معارف پرور تھا مگر تعجب ہے کہ اس کے عہد میں نہ تو معیارِ علم بلند ہوا اور نہ ہی اس کے دربار کو علماء سے رونق ملی۔ اس کے باوجود اس کے عہد میں معین الدین عمرانی، قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے استاد مولانا خواجگی، عربی کے شاعر احمد تھانیسری صاحب قصیدہ الدالیہ، قاضی عبد المقتدر التشریحی صاحب قصیدہ اللامیہ قابلِ ذکر ہستیوں نے اس عہد کو زینت بخشی اور اپنی گرانقدر خدمات علوم عربیہ و اسلامیہ کی نشر و اشاعت میں صرف کیں۔ اس عہد میں بھی امام ابو حنیفہ سندھی بھکر کے قاضی تھے۔ ان کے علاوہ ابو بکر اسحاق تاج الدین الملتانی الحنفی الصوفی (کنیت ابن تاج)

---

[1] سید صباح الدین عبد الرحمٰن: ہندوستان میں سلاطین و مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، معارف پریس اعظم گڑھ ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء، ضیاء برنی: "تاریخ فیروز شاہی ص ۳۵۲، ۳۶۰ - ۳۶۱"

[2] ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ص ۴۴ و بعد؛ الثقافۃ اسلامیۃ فی الہند ص ۱۱ ؛ ۱۲۔

[3] تاریخ فرشتہ، جلد دوم، ص ۴۴۷؛ سیر المتاخرین جلد اول، ص ۲۳۲۔

معین الدین عمرانی دھلوی بھی تھے ، مقدم الذکر نے یہاں رئیس المدرسہ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں اور مؤخر الذکر دلی میں اپنا علم مشتاقانِ علم تک پہنچاتے رہے ۔ آپ نے کنز، منار، تلخیص، مفتاح اور حسامی پر حواشی لکھے لیے اسی عہد میں اس کے دربار میں امیر تاتارخان بھی علم پرور تھا جس کی سرپرستی اور تعاون سے قاضی عالم (علیم) ابن علاؤ الدین عطا اندا پنی نے " الفتاوی التاتارخانیہ " کے نام سے فقہ پر کتاب تحریر کی ، مخلص بن عبداللہ الدھلوی (م ۷۶۴ھ / ۱۳۶۲ء) ، قاضی حمید الدین (م ۷۶۴ھ / ۱۳۶۲ء) ، سراج الدین عمر اسحاق (م ۷۷۲ھ / ۱۳۷۱ء) مقلب بہ " سراج ہندی " ، فقہ اور فقہِ حنفی پر آپ کی متعدد تصانیف ہیں ۔" زبدۃ الاحکام فی اختلاف الائمۃ الاعلام " اور " العزۃ الحنفیہ " (فی ترجیح مذہب ابی حنیفۃ وغیرہ آپ کی تخلیقات موجود ہیں ۔ امیر کبیر سید علی ہمدانی کشمیری (م ۷۸۶ھ / ۱۳۸۴ء) ، سید یوسف بن جمال الحسنی الملتانی فیروز شاہ تغلق کے عہد میں ہو گزرے ہیں علوم عربیہ و اسلامیہ کو اس عہد تک اس قدر ترقی ہوئی کہ مذکورہ بالا مراکز کے علاوہ کشمیر بھی مرکزِ علم بن گیا ۔ شاہ مرزا ابن طاہر خراسانی کی کوشش سے چودھویں صدی عیسوی میں اہلیان کشمیر مستفید ہوئے ۔ آپ کے فرزند سید محمد بھی اعلیٰ پائے کے مصنف اور عالم ہوئے ہیں ۔ ان کے علاوہ رضی الدین ، محمد یعقوب ، فیروز الدین ، خواجہ زین الدین علی ، ملا شنگرف ، ملا امین ، ملا محمد محسن ، نور محمد بابا اور قاضی کشمیری نخل علم کی آبیاری میں کوشاں رہے مؤخر الذکر عالمگیرؒ کے بیٹوں کے استاد مقرر ہوئے اور انھیں " قاضی خان " کا خطاب ملا [۲]

محمد بن تغلق کی وفات کے بعد مسلم حکومت سات شاہی خاندانوں میں منقسم ہو گئی ۔ فیروز شاہ تغلق کے دور میں تیمور کے حملے (۶۸۸ھ / ۱۲۸۹ء) کے بعد دلی کی برائے نام تغلق حکومت بھی ختم ہو گئی ۔ کچھ عرصہ کے لیے دلی ویران ہو گئی لیکن اس مرکزی ویرانی کو وقتی طور پر صوبائی علمی ، سیاسی اور ثقافتی مراکز نے پورا کیا ۔ یہ مراکز بنگال ، جونپور ، مالوہ ، گجرات ، بہمن ، بیجاپور ، گولکنڈا ، برہانپور ، آگرہ ، گلبرگہ اور بیدر تھے ۔

عہد سلطان ابراہیم شرقی (۸۰۴ھ / ۱۴۰۲ء ۔ ۸۴۴ھ / ۱۴۴۰ء) اسکے دور میں جونپور

---

[۱] شیخ عبدالحق دہلوی : تذکرہ مصنفینِ دلی مرتبہ حکیم سید شمس اللہ قادری ، ص ۱۱ ؛ اور ہندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر ص ۸۶ ۔

[۲] عربی ادبیات ص ۲۶ ؛ ۲۷ ۔

علوم عربیہ واسلامیہ کا اہم مرکز بنا۔ تیموری ویرانی کے بعد دہلی سے اہلِ علم نے اِدھر ہی کا رُخ کیا ان حضرات میں سے قاضی شہاب الدین دولت آبادی، ابو الفتح شریحی اسکندری اور سلطان نظام الدین احمد جیلانی سر فہرست ہیں۔ ان سب کی علمی سرگرمیوں سے جونپور میں علم کی خوب آبیاری ہوئی[۱] ابراہیم شرقی قاضی شہاب الدین دولت آبادی کا بہت احترام کرتا تھا۔ ان کی علالت پر مزاج پرسی میں والہانہ عقیدت واحترام کا اظہار فرشتہ نے تفصیلاً بیان کیا ہے[۲]

یہاں پر جونپور کی علمی فضا کے متعلق مختصراً وضاحت بے جا نہ ہوگی۔ جونپور کی علمی فضا اور سلاطین شرقیہ کی قدردانی علم وعلماء اگر قاضی شہاب الدین دولت آبادی کو اپنے دامن میں سمیٹ لائی تو ان کے لگن اور جذبۂ خدمت علم نے اس فضا کو علم کے لیے اور سازگار بنا دیا جس سے اس سرزمین پر الٰہ داد جونپوری، میر محمد جونپوری، عبد الاول، ممتاز فلسفی ملا محمود، شیخ محمد علیسی جونپور تلمیذ قاضی دولت آبادی، دیوان عبد الرشید، ملا جیون (م ۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۸ء)، مولانا الہدا، محمد افضل استاذ الملک اور ملا حامد حسین قابل ذکر علماء پیدا ہوئے جن کی شبانہ روز محنت شاقہ نے علوم عربیہ واسلامیہ ہندوستان بھر میں پھیلا دیے۔ دیوان عبد الرشید اور ملا محمود جونپور کے بارے میں علامہ شبلی فرماتے ہیں "کہ علامہ تفتازانی اور علامہ جرجانی کے بعد ایسے دو علمائے وقت کبھی نہیں ہوئے"[۳] ان علماء کی بدولت اس علاقے کی علمی فضاء کو دیکھ کر شاہجہان بھی کہہ اُٹھے، "پورب شیراز مملکت ماست" وہ اسے 'شیراز ہند' کہا کرتے تھے[۴] جونپور ہی سے لکھنؤ نے علم وادب سیکھا اس علمی فضا کے آثار اب بھی جونپور کے اطراف میں چڑیا کوٹ اور اعظم گڑھ میں پائے جاتے ہیں جہاں علامہ شبلی نعمانیؒ کی سعیِ پیہم سے 'اعظم گڑھ' علوم عربیہ واسلامیہ کا اہم مرکز بنا ان کی قائم کردہ اکیڈمی 'دار المصنفین'، علوم عربیہ واسلامیہ کے فروغ میں اپنی بھرپور خدمات انجام دے رہی ہے۔

عہد سلاطین مالوہ (۸۰۴ھ / ۱۴۰۱ء — ۹۳۷ھ / ۱۵۳۰ء)

سلاطین مالوہ میں سلطان محمود علماء کا بے حد

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۲۸۶؛ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۲۷؛ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۵۳

[۲] محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، مطبع نول کشور لکھنؤ، ج ۲ ص ۹۷؛ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۳۹

[۳] ہندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر ص ۱۴ - ۱۵

[۴] ایضاً ص ۱۴؛ غلام علی آزاد بلگرامی: مآثر الکرام، آگرہ، ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء، ص ۲۲۲

قدر دان تھا۔ یہاں کے علماء میں شاہ احمد شرعی چندیری (م ۹۲۸ھ/۱۵۲۱ء) قابلِ ذکر مصنف اور صوفی تھے۔ اس دور میں احمد آباد گجرات کا دار السلطنت تھا۔ یہ علاقہ عربوں کی آمد ہی سے علوم عربیہ واسلامیہ کا اہم مرکز بن گیا تھا۔ نور الدین شیرازی ایران سے ہجرت کر کے یہاں آئے، اس وقت وجیہ الدین محمد مالکی ملک المحدثین گجرات میں موجود تھے۔ ان دونوں علماء کے فیضِ علم سے علمِ حدیث گجرات میں پروان چڑھا۔ یہاں ابن الدامینی مصر سے آئے اور اپنی خدمات یہاں کے تشنگانِ تحصیلِ علم میں پیش کرتے رہے۔ ان کے علاوہ طاہر پٹنی، عبداللہ محمد سراج الدین عمر ہروانی۔ الغ خان المعروف بہ حاجی دبیر، وجیہ الدین، سید صبغۃ اللہ بڑوچی، عبدالقادر العید روس اور نور الدین گجراتی قابلِ ذکر ہیں۔ آپ سب بہت سی تصانیف کے مالک تھے۔ برہان پور خاندیشی سلطنت کا دار السلطنت اور اہم علمی مرکز تھا۔ یہاں کے قابلِ ذکر مصنف علی متقی صاحب کنز العمال، شاہ فضل اللہ المعروف بہ نائب رسول اور قاضی نصیر الدین کی کاوشوں سے علوم عربیہ واسلامیہ کی نشر واشاعت کو فروغ حاصل ہوا۔

عہدِ بہمنی سلاطین (۷۴۸ھ/۱۳۴۷ء — ۹۳۳ھ/۱۵۲۶ء)

بہمنی سلاطین بھی علم دوست تھے۔ ان کے دور میں بھی بہت محققین پیدا ہوئے جن میں ملا عبد الغنی نجم الدین اور ممتاز ولی حضرت سید محمد الحسینی المعروف گیسو دراز (م ۸۴۶ھ/۱۴۴۲ء) جو نصیر الدین محمود چراغ دہلی (م ۷۵۷ھ/۱۳۵۶ء) کے مرید تھے[1]۔ بہمنی حکومت کے زوال کے بعد دکن کی حکومت کے پانچ حصے ہو گئے۔ مگر علوم عربیہ واسلامیہ کے فروغ میں کوئی فرق نہ آیا۔ گلبرگہ میں چراغِ علم بہمنین کی بدولت منور ہوا۔

عہد لودھی (۸۵۵ھ/۱۴۵۱ء — ۹۳۰ھ/۱۵۲۶ء)

بہلول لودھی کے عہد میں علوم عربیہ واسلامیہ کو بہت فروغ ملا۔ اس کے بیٹے سکندر لودھی کے عہد میں آگرہ دار السلطنت قرار پایا۔ یہ شہر مرکز ہونے کی وجہ سے علوم وفنون عربیہ واسلامیہ کا گہوارہ بن گیا۔ اس کے زمانے میں ملک العلماء شیخ عبداللہ تلنبی (م ۹۲۲ھ/۱۵۱۶ء) اور شیخ عزیز اللہ تلنبی علم ومعرفت کے پیکر ملتان سے تشریف لائے[2]۔ آپ نے منطق وحکمت کے معیار کو بلند

---

[1] سیر المتاخرین ج اول ص ۳۳۵

[2] خافی خان؛ منتخب اللباب، کلکتہ ۱۸۶۹ء، ج اول ص ۳۲۳-۳۲۴؛ الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند ص ۹-۱۱، ۲۳-۲۴؛ منتخب التواریخ، ج اول ص ۲۱۳-۲۱۴

کیا۔ سکندر لودھی عبداللہ تلنبی کا بہت قدر دان تھا۔ آپ کے درس میں خاموشی سے شریک ہوا کرتا تھا۔[1] آپ دہلی کے دار السلطنت بننے پر دہلی چلے آئے۔ سکندر لودھی کی معارف پروری محدث رفیع الدین شیرازی کو بھی آگرہ کھینچ لائی۔ آپ محقق جلال الدین دوانی اور محدث سخاوی کے شاگرد ارجمند تھے۔ ان کے شاگرد ابوالفتح تھانیسری (شاگرد عبدالقادر بدایونی) تھے۔ آپ علوم عربیہ و اسلامیہ پر کافی عبور رکھتے تھے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی[2] کو ابراہیم لودھی سے خاص تعلق تھا۔ آپ کی تخلیق 'انوار العیون' ہے ان کے علاوہ اس دور میں ابوالفضائل سعدالدین دہلوی بھی ہیں۔ آپ نے علم فقہ پر کئی کتابیں تحریر کیں۔ عہد اسکندری کی ایک اہم تصنیف میاں بھوہ کی 'الشفا' یا 'طب سکندری' ہے۔ اسلامی طب کی تدوین و ترقی میں اس کتاب کو تاریخی مقام حاصل ہے۔ جلال خان کنبوہ المسمی شیخ جمالی المعروف بہ درویش ایک اہم شخصیت ہیں سکندر لودھی ان کی بہت عزت کرتا اور ان سے اصلاح لیا کرتا تھا۔ آپ کی تصنیف 'تذکرہ سیر العارفین' طبع شدہ ہے[3] جبکہ مثنوی مہر و ماہ قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔ آپ کے دو لخت جگر حیاتی اور شیخ گدائی کا ہمایوں بڑا مداح تھا۔ عہد اکبری میں پہلے شیخ الاسلام ہونے کا آپ کو شرف حاصل ہے۔

عہد عادل شاہی سلاطین (۸۹۵ھ/۱۴۸۹ء — ۱۰۹۷ھ/۱۶۸۶ء)

بیجاپور میں عادل شاہی خاندان کے سلاطین بھی علم پرور تھے۔ ان کے دور میں عرب سے کئی ممتاز علماء عرب یہاں تشریف لائے۔ ان میں سے حسن بن علی شقدم ہیں جو شاعر اور مصنف تھے۔ ان کے علاوہ صاحب تحفۃ المجاہدین ضیاء الدین معبری ہیں۔ گولکنڈہ میں بھی عرب سے بہت سے معروف علماء کرام تشریف لائے لیکن ان میں سے ابن معصوم اور ان کے والد صاحب سلافۃ العصر قابل ذکر ہیں۔ ان تمام قابل قدر ہستیوں نے علوم عربیہ و اسلامیہ کی نشر و اشاعت کے لیے انتھک کوششیں صرف کیں۔

تیسرا دور یعنی مغلیہ عہد (۹۳۳ھ/۱۵۲۶ء - ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۷ء)

اس عرصہ میں پندرہ سالہ عہد سوری بھی شامل

[1] ہندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر ص ۱۴

[2] سیر المتاخرین ج اول ص ۲۳۵ ،

[3] منتخب التواریخ ج اول ص ۲۱۵ ،

ہے یہاں اس کا الگ ذکر کیا جاتا ہے۔

عہد سوری (۹۴۶ھ/۱۵۲۵ء-۹۶۲ھ/۱۵۵۵ء)

شیر شاہ سوری عالم اور علم پرور تھا۔ اپنے عہد کے عالم بڈھ یا بدھن تہاری کی بہت عزت کرتا تھا۔ آپ کا پورا نام سید بڈھ بن سید کمال الدین بن سید نصیر الدین ہے۔ آپ نے قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی تصنیف 'ارشاد فی النحو' کی شرح لکھی۔ شیر شاہ نے نارنول (ریاست پٹیالہ)[۲] میں ایک بڑا مدرسہ تعمیر کروایا جو علوم عربیہ و اسلامیہ کا اہم مرکز بنا۔ اس کا بیٹا سلیم شاہ سوری بھی علم دوست اور علماء پرور تھا۔ وہ نامور عالم عبداللہ ولد شمس الدین سلطان پوری المعروف بمخدوم الملک کا بڑا احترام کرتا تھا۔ آپ ہمایوں اور اکبر اعظم کے دربار سے بھی وابستہ رہے[۳] اور شیخ الاسلام کے عہدہ پر فائز رہے۔

عہد مغل

مغل حکمران اپنے ساتھ نہ صرف اندازِ حکمرانی لائے بلکہ وہ اپنے ساتھ وسط ایشیا کی علمی ترقی بھی لائے۔ شاہانِ مغلیہ خود عالم اور عالم شناس تھے اس لیے ان کے دور میں علوم عربیہ واسلامیہ کو عروج حاصل ہوا اور نئے علمی مراکز قائم ہوئے۔ یہ دور اسلامی ہند کا سب سے زیادہ پرامن دور ہے۔ اس سے نہ صرف بہتر ملکی نظم ونسق اور اطمینان عوام الناس کو نصیب ہوا بلکہ تہذیب اور قومی علم وادب کے ساتھ سب سے بڑھ کر علوم دینِ اسلامیہ کی ترویج و ترقی میں اضافہ ہوا۔ اس دور کے نامور علماء میں سے شاہ فتح اللہ شیرازی نے عضد الملک کا خطاب حاصل کیا[۴]۔ شیخ عبدالحق پسر شیخ سیف الدین دہلوی، شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی، آپ نے اکبر کے الحاد کے خلاف آواز بلند کی، جہانگیری عہد میں آپ کی کاوشوں سے ترویج شریعت نے

---

۱ میر غلام علی آزاد بلگرامی: مآثر الکرام، مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء، ص ۲۳؛ منتخب التواریخ ج اوّل ص ۲۷۵؛ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۱

۲ یہ مدرسہ شیر شاہ سوری نے اپنے دادا ابراہیم سوری کی یاد میں تعمیر کرایا تھا۔

Narendra Nath Law: Promtion of learning during rule, Calcutta 1914, PP.136-137

۳ محمد بختاور خان: مرآۃ العالم: تاریخ اورنگ زیب، ج دوم، بتصحیح ومقدمہ وحواشی ساجدہ س علوی ادارہ تحقیقات پاکستان دانش گاہ پنجاب لاہور بار اوّل ۱۹۷۹ء ص ۲۲۴

۴ منتخب اللباب ص ۲۴۲۔

عہدِ مغلیہ کو زینت اور شرف عطا کیا۔ اس دور میں آپ کا اصل کام سندھ میں نقشبندیہ سلسلہ کی اشاعت ہے۔[۱] شیخ عبد النبی ابن احمد بن عبد القدوس الگنگوہی اکبر اعظم کے عہد میں صدر الصدور کے عہدے پر فائز ہوئے۔[۲] زین الدین بن عبد العزیز شافعیؒ معبری (مالاباری) نے علم فقہ پر بہت کام کیا۔ اکبر کے عہد میں عبد الرحیم خان خاناں عربی زبان پر کامل دست رس رکھتا تھا۔ اس نے بابر کی تزک بابری کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس کی علمی فضیلتوں کی بڑی علامت اس کا گرانقدر کتب خانہ ہے یہ کتب خانہ ایک اکیڈمی یا دار الحکمت کا کام دیتا تھا۔ اس کے کتب خانہ کے اسٹاف ممبران ملا محمد امین جدول ساز ملا عبد الرحیم عنبریں قلم، ملا محمد مومن، محمد حسین کافی نبرداری، بقائی برآبادی غنی ہمدانی وغیرہم تھے۔ اسی طرح کتب خانہ کی ترتیب و انتظام کے لیے باکمال لوگ تھے[۳] جن کی موجودگی سے کتب خانہ کی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ قاضی علامہ نظام الدین حنفی بدخشی ملقب بہ نواب غازی خان، آپ کو اکبر بادشاہ نے 'غازی خان' اور 'قاضی خان' کے خطابات سے نوازا۔ بادشاہ کو سجدۂ تعظیم کا کارنامہ انہی کا رائج کردہ تھا[۴] مولانا رحمت اللہ بن عبد اللہ سندھی، مولانا وجیہہ الدین ابن نصر اللہ بن عماد الدین علوی گجراتی، قاضی ابو المعالی بخاری آپ نے فقہ حنفی پر 'حب المفتی' کتاب لکھی۔ علاؤ الدین بن منصور لاہوری، شیخ مبارک ناگوری، فیضی اور ابو الفضل تینوں باپ بیٹے عربی اور فارسی کے مسلم عالم اور ادیب تھے۔ عہدِ جہانگیر میں نامور علماء میں سے مولانا مرزا شکر اللہ شیرازی، مولانا مرزا محمد قاسم گیلانی۔ ملا زور بھان شیرازی، اعمی اعمری، ملا باقر ٹھٹھی، ملا عبد اللطیف سہارنپوری، ملا عبد الحکیم سیالکوٹی آپ شاہجہانی دور میں بھی بلند مراتب پر فائز تھے۔ ملا عبد الرحمٰن لوہرہ گجراتی، ملا حسن فراعی گجراتی، ملا باقر کشمیری، خواجہ عثمان حصاری، قاضی نور اللہ، ملا فاضل کابلی اور ملا محمود جونپوری (م ۱۰۶۲ھ / ۱۶۵۱ء) عہدِ شاہجہانی میں آپ کا ستارہ کمالاتِ علم کی انتہا کو چھو رہا تھا۔ ان تمام علماء کے فیوض و برکات سے عوام و خواص متمتع ہوتے رہے اور علومِ عربیہ و اسلامیہ اپنی معراج کی طرف گامزن رہے۔

۱۔ منتخب التواریخ ج سوم ص ۶۲۴ - ۶۲۶،

۲۔ مراۃ العالم ج ۲، ص ۴۲۴؛ منتخب التواریخ ج سوم ص ۶۰۴ اور ج ۲ ص ۴۳۶،

۳۔ علامہ شبلی نعمانی: مقالاتِ شبلی، ج اول، مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۳۲ء ص ۱۴۰ - ۱۴۲؛ ۵۰۳،

۴۔ مرآۃ العالم ص ۴۲۵،

شاہ جہانی عہد میں قاضی محمد اسلم ہروی، قاضی محمد سعید کرہ رودی، ملا عبد السلام لاہوری، مولانا سید محمد رضوی، عبد اللطیف سلطان پوری، میر محمد ہاشم گیلانی، ملا یوسف، ملا محمد فاضل بدخشانی، ملا فرید دہلوی محمد بن ابراہیم شیرازی ملقب بہ صدر الدین المعروف ملا صدرا (م ۱۰۵۰ھ/ ۱۶۴۰ء) وغیرہم[1] نے گلستان علوم عربیہ و اسلامیہ کی حتی الامکان آبیاری کی۔

اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کا سب سے اہم کارنامہ جو علمائے وقت سے انجام پایا وہ "فتاویٰ عالمگیری" کی تصنیف ہے یہ بیرونِ ہند فتاویٰ الہندیہ کے نام سے مشہور ہے اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے[2] اس عہد کے نامور علماء میں سے ملا جیونؒ، قطب الدین سہالوی، قطب الدین شمس آبادی، حافظ امان اللہ بنارسی، میر طفیل محمد بلگرامی، مولوی غلام نقشبندی لکھنوی اور قاضی محب اللہ بن عبد الشکور بہاری سرفہرست ہیں۔ آپ سب متعدد کتب کے مصنف تھے[3]

عظیم الشان عہد مغلیہ کی سلطنت کی آب و تاب محمد شاہ رنگیلا کے دور کے آخر میں (۱۱۵۳ھ/ ۱۷۴۰ء — ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء) میں ماند پڑ گئی۔ بالآخر آخری تاجدار سلطنت مغلیہ بہادر شاہ ظفر کے معزول ہو کر جلاوطن ہونے پر[4] اس حکومت کا ستارہ غروب ہو گیا۔ محمد شاہ رنگیلا عیش و عشرت کا خوگر تھا جبکہ بہادر شاہ ظفر علماء کو پسند کرتا تھا چنانچہ سلطنت کے زوال پذیر ہونے کے باوجود اس زمانہ میں بہت سے ممتاز علماء پیدا ہوئے جن میں عبد الجلیل بلگرامی، غلام علی آزاد، سید ولدار علی مجتہد، اسلام اللہ محدث، شیخ الاسلام احمد بن عبد الرحیم بن وجیہ العمری الدھلوی آپ کا تاریخی نام "عظیم الدین" بشارتی نام قطب الدین، کنیت "ابو الفیض" مشہور و معروف لقب "ولی اللہ" ہے[5]۔ شاہ عبد العزیز بن ولی اللہ دہلوی

---

[1] مآثر الکرام: ص ۱۰۸-۱۲۸؛ ۱۵۹-۱۷۰؛ ۲۰۳-۲۱۷؛ ہندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر ۸۶-۸۸

[2] الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند ص ۱۱۰-۱۱۱؛

[3] تذکرہ علمائے ہند ص ۱۷۵؛ مآثر الکرام ص ۲۰۹-۲۱۸

[4] اشتیاق حسین قریشی: برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء، ص ۲۱۰؛ ۲۲۳-225

[5] مولوی فقیر محمد جہلمی اللاہوری: حدائق الحنفیہ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ، تاریخ ندارد ص ۴۴۷

متلقب بہ "سراج الہند" اور "حجۃ اللہ"[1] آپ سے آپ کے بھائی رفیع الدین، عبد القادر، عبد الغنی، عبد الحی بن ہبۃ اللہ بڑھانوی اور مفتی الٰہی بخش کاندھلوی وغیرہم نے فیض حاصل کیا۔ آپ کو مرزا مظہر جانجاں علوی نے 'علم الہدیٰ'، اور شاہ عبد العزیز دہلویؒ نے 'بیہقی الوقت'، کا خطاب دیا۔ آپ فقہ، علم کلام اور تصوف میں کامل دسترس رکھتے تھے۔ مولانا فضل امام خیر آبادی، تراب علی، ملا محمد حسن، محمد مبین، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، حمد اللہ، احمد اللہ، سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی، شیخ محمد حیات سندھی، احمد علی سندیلوی قابل ذکر ہیں[2] آپ سب مختلف علوم و فنون میں تصنیف و تالیف کا کام انجام دیتے رہے۔

عہد جدید

اس دور انحطاط (۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۷ء) سے عہد جدید شروع ہوتا ہے۔ اس عہد میں انگریزوں نے مسلمانوں کی زبان کی شرعی اہمیت کو ختم کر دیا جس بنا پر وہ درسگاہیں جو قاضی القضاۃ، سپہ سالار اور وزراء پیدا کرتی تھیں ویران ہو گئیں۔ انگریزوں اور ہندوؤں کے بڑھتے ہوئے اتحاد کی وجہ سے مسلمانوں کا وجود خطرے میں تھا لہٰذا مسلمانوں نے 'دار الاسلام' کے مطالبے کو تیز تر کر کے اسے حاصل کرنے میں جانی و مالی اور لسانی و قلمی جہاد کیا۔ اس دور میں جمال الدین افغانی کی تعلیمات بہت کارگر ثابت ہوئیں۔ مولانا فضل حق خیر آبادی، سید اعجاز حسین کنتوری، مولانا عبد الحی، نواب سید صدیق حسن خان بہادر قنوجی، مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولانا ابو عبد اللہ سورتی، مولانا اشرف علی تھانوی وغیرہم نے علوم عربیہ و اسلامیہ کی خوب خدمت کی[3]

مسلمانوں کی مسلسل جدوجہد کی وجہ سے (۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۷ء) میں دو آزاد مملکتوں کا وجود عمل میں آیا جن میں سے ایک مملکت اسلام (پاکستان) وجود میں آئی۔ قیام پاکستان کے بعد سے علوم عربیہ و اسلامیہ کی ترویج و ترقی اور نشر و اشاعت میں حتی الامکان سعی جاری ہے۔ حکومت پاکستان نے علوم عربیہ و اسلامیہ کی اشاعت کے لیے دو رسائل 'البشیر' اور 'الوعی' کا اجرا کیا۔ 'مرکزی ادارۂ تحقیقات اسلامیہ کا

---

[1] صدیق بن حسن القنوجی: من ابجد العلوم، المکتبۃ القدوسیۃ اردو بازار لاہور، الطبعۃ الاولیٰ پاکستان ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء، ج ۶، ص ۹ اور نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۲۶۷۔

[2] مولانا سید مناظر احسن گیلانی: ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، حیدر آباد دکن، ج اول ص ۲۱۹-۲۲۰

[3] برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ ص ۲۸۷

وجود عمل میں آیا یہ ادارہ پہلے کراچی میں تھا۔ اب اسلام آباد میں کام کر رہا ہے اس ادارہ میں عربی، انگریزی اور بنگالی میں تین پرچے نکالے جاتے ہیں ' الدراسات الاسلامیہ ' کے نام سے عربی میں ایک سہ ماہی مجلہ بھی شائع ہوتا ہے۔ اس کی ابتدائی تنظیم میں مولانا عبد العزیز میمن اور ڈاکٹر صغیر حسین معصومی کی خدمات بھی اس ادارہ کو حاصل ہیں۔ جامعہ اسلامیہ بہاول انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد، دار الاسلام لائبریری لاہور، قائد اعظم لائبریری لاہور، اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ لاہور، اور مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور، یہ تمام سرکاری ادارے علوم عربیہ و اسلامیہ کی نشر و اشاعت میں دن رات مصروف ہیں اور بڑی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ پاکستان میں پرائیوٹ دینی اداروں کی علمی خدمات ایک مستقل موضوع ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں ہو سکتی۔

۶۔ مغلیہ دورِ حکومت میں علوم عربیہ و اسلامیہ کی نشر و اشاعت کا مختصر جائزہ

مغلیہ دَور علوم عربیہ و اسلامیہ کی نشر و اشاعت اور مسلمانوں کی سیاسی قوت کے عروج و اقبال کا سنہری دَور ہے۔ شاہانِ مغلیہ نہ صرف خود عالم تھے بلکہ علمار کے مرتبہ دان بھی تھے۔ بانیِ سلطنتِ مغلیہ شہنشاہ ظہیر الدین بابر سے لے کر اورنگ زیبؒ عالمگیر تک بیشتر شاہانِ مغلیہ اور مغلیہ شہزادے اور شہزادیاں بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور علم پرور تھیں۔ ظہیر الدین بابر کا زیادہ تر وقت جنگوں میں گزرا تاہم وُہ عظیم المرتبت فاتح ہونے کے ساتھ ساتھ شگفتہ مزاج، فصیح البیان ادیب، شاعر اور خطِ بابری کا موجد بھی تھا۔ اس نے چندیری، سارنگ پور اور رانتھمبور کی مسجدیں اور خانقاہیں جو حیوانات کا مسکن تھیں پاک اور مرمت کروا کر دوبارہ آباد کیں۔ ہمایوں خود بھی عالم تھا اور علمار کا قدر دان بھی۔ اس کے دَور کے مدرسے مدرسہ آگرہ شیخ زین الدین خوافی اور مدرسہ دہلی جس کے مدرس نامور عالم شیخ حسین تھے جو بہت اہمیت کے حامل تھے اس نے علومِ عربیہ و اسلامیہ کی حالت بہتر بنانے کے لیے ایک کتب خانہ بھی بنایا۔

اکبرِ اعظم اگرچہ خود عربی سے ناواقف تھا مگر ان علوم کی سرپرستی میں اس نے کوتاہی نہیں برتی۔ اس دور میں علوم عقلیہ کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ اس نے اپنے عہد سے پہلے کے قائم کردہ مدارس، مکاتب، مساجد اور کتب خانوں کی مرمت و توسیع کروائی۔ مزید مدارس و مکاتب بھی تعمیر کروائے اور ان کے لیے جاگیریں وقف کیں۔ اس کے دَور میں مدرسہ سہالی، مدرسہ خیر المنازل[1] قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ

---

[1] ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، ص ۲۶۔

بدایون، صوبہ اودھ، آگرہ، مالوہ کے مدارس علوم عربیہ و اسلامیہ کی حالت کو بہتر سے بہتر بنانے میں سرگرم عمل تھے۔ اس دور میں کشمیر نے علمی میدان میں انقلابی ترقی کی[1]

مغلیہ تاجدار جہانگیر نے علوم عربیہ و اسلامیہ کی حالت کو مزید بہتر بنانے میں خصوصی کوشش کی۔ اس نے ایک فرمان جاری کیا کہ جہاں کوئی لاوارث مسافر، تاجر یا کوئی مال دار فوت ہو جائے، اس کی جائیداد امانت میں لے لی جائے اور اس سے مسجدیں، پل، مدرسے اور سرائیں تعمیر کرائی جائیں۔[2] شاہجہاں کے دور کی عظیم الشان مساجد مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کو دھرانے لگیں۔ اس نے جابجا مدارس تعمیر کروائے۔ ایک مستقل نظامِ تعلیم وضع کیا۔ مدرسین و طلباء کے لیے وظائف مقرر کیے تاکہ فکر معاش سے بے نیاز ہو کر وہ مدارس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا کام انجام دیں۔ اس عہد میں جونپور، احمد آباد، دلی اور لاہور کے مدارس کی شہرت ہرات اور بدخشان کے طالبانِ علم کو ہندوستان کھینچ لائی۔[3] اس دور کی مسجد اکبر آبادی اور مسندِ درس شیخ عبد الحق محدث دہلوی درس و تدریس کے میدان میں انتہائی اہم حیثیت رکھتی ہیں۔ دارا شکوہ نے تھانیسر میں 'مدرسہ شیخ چلی' تعمیر کرایا۔[4]

بادشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ ایک ممتاز عالم اور شریعت کا پابند تھا۔ علوم اسلامیہ یعنی تفسیر، حدیث اور فقہ پر کامل دسترس رکھتا تھا۔ اس نے علوم عربیہ و اسلامیہ کی بے حد سرپرستی کی۔ شہنشاہ عالمگیرؒ نے اشاعتِ تعلیم اسلامیہ پر ذاتی توجہ دی۔ علماء و طلباء کے لیے وظائف اور جاگیریں وقف کیں۔ اس نے علم کی روشنی سے ملک کے ہر صوبے، شہر اور قریے کو منور کیا۔[5] اس دور میں مدارس کی دو قسمیں تھیں ایک سرکاری

---

۱ عبد الحمید لاہوری: بادشاہ نامہ، مطبوعہ بنگال کلکتہ ۱۸۷۲، ج ۲، ص ۵۵؛ ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ص ۷۷؛ ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ص ۷۸

۲ محمد ہاشم خوافی خان: منتخب اللباب، ج اوّل ص ۱۲۴۹ -

۳ ایضاً

۴ ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، ص ۳۱

۵ محمد کاظم: عالمگیر، ص ۱۰۸۵-۸۶؛ محمد ساقی مستعد خان: مآثر عالمگیری، ایشیاٹک سوسائٹی آف کلکتہ بنگال ۱۹۲۵ء ص ۵۲۹ -

مولانا ابوالحسنات ندوی: ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، امرتسر، تاریخ ندارد، ص ۲۶

جن کے تمام تر مصارف کی ذمہ دار حکومت تھی، دوسرے وہ مدارس جو علمائے دین نے خود قائم کیے اورنگ زیب عالمگیرؒ وقتاً فوقتاً غیر سرکاری مدارس کی بھی شاہی خزانہ سے مدد کیا کرتا تھا[1] اس دور کا اہم یادگار مدرسہ 'مدرسہ فرنگی محل لکھنؤ' ہے، اس کی عمارت اورنگ زیب عالمگیر نے قطب الدین شہید کے بیٹوں کو دی۔ ان کے فرزند نظام الدین نے فتح اللہ شیرازی کے وضع کردہ نصابِ تعلیم میں ترمیم و اضافہ کر کے نصاب 'درسِ نظامیہ' کے نام سے ایک نصاب رائج کیا[2] جو آج تک دینی مدارس میں پڑھایا جاتا ہے۔ شاہ عبدالرحیم دھلوی کا 'مدرسہ رحیمیہ' بھی قابلِ ذکر ہے۔ ان اور ایسے دیگر مدارس کی بدولت علوم عربیہ و اسلامیہ سرزمین پاک و ہند میں پھلے پھولے۔

عالمگیر بادشاہ کے عہد کے یادگار کارناموں میں سے ایک فتاویٰ عالمگیری ہے جو 'فتاویٰ ہندی' کے نام سے معروف ہے[3]۔ فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں زیادہ تر علمائے کرام بہار اور اودھ سے کچھ لاہور اور سندھ سے تعلق رکھتے تھے۔ عالمگیرؒ کے فرمان کے مطابق اس کا فارسی ترجمہ مولانا عبداللہ رومی چلپی نے کیا جو دستبردِ زمانہ کا شکار ہو کر ناپید ہو چکا ہے۔ بعد ازاں لارڈ سر جان شور (۱۷۹۲-۱۷۹۸ء) کے مشورے سے مولانا نجم الدین ثاقب قاضی القضاۃ (م ۱۲۲۹ھ/ ۱۸۱۳ء) نے فارسی میں ترجمہ کیا[4] اس کتاب کو نہ صرف پاکستان و ہند میں قدر و منزلت حاصل ہوئی بلکہ ترکی، شام، مصر، اور دیگر ممالکِ اسلامیہ میں شرعی فیصلوں میں بطور سند استعمال کیا گیا[5]۔ اس دور کے مشاہیر علماء جنہوں نے علوم عربیہ و اسلامیہ کے لیے نہایت خلوص اور جانفشانی سے کام کیا ان میں ملا جیون، محب اللہ الہ آبادی، میر زاہد، ملا قطب الدین سہالوی اور قاضی محب اللہ بہاری خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اس عہد میں مصنفینِ عربی نے جس قدر علومِ عربیہ و اسلامیہ کو فروغ دیا کسی اور دور میں نہیں دیا گیا اور نہ ہی اس عہد سے زیادہ تعداد

---

۱ مرأتِ احمدی میں شاہی مدارس کی تفصیلات بیان ہیں۔

۲ سید صباح الدین عبدالرحمٰن: ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی کارنامے، دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۶۳ء، ص ۱۷، ۱۷۱۔

۳ الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند، ص ۱۱ - ۱۱۱

۴ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ لاہور ج ۲۰، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء، ص ۹۲

۵ ایضاً اور الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند ص ۱۱۰

علماء کی کسی اور دَور میں ہوئی۔ اس عہد کے مصنفین نے ہند اور بیرونِ ہند بھی قدر و منزلت حاصل کی۔ان کی تصنیفات عرب، مصر اور ترکی میں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ ان علماء میں سے فیضی، عبدالحق دہلوی، مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی، قاضی محب اللہ بہاری، شاہ ولی اللہ دہلوی اور غلام علی آزاد بلگرامی بہت ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ یہ سب متعدد کتب کے مصنف ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر علماء پورب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی لیے صاحبِ مآثر الکرام نے کہا ہے کہ

"پورب از قدیم الایام معدن علم و علما ست"[1]

امیر فاضل نواب معتمد خان رستم بن دیانت خان الحارثی البدخشی معقول و منقول اور اصول و فروع میں عبور رکھتے تھے[2] آپ نے ہندسہ و ریاضی کے موضوع پر ایک لاجواب کتاب "کتاب المقائیس" لکھی۔ شاہ عبدالرحیم وجیہ الدین فاروقی دہلوی (۱۰۵۴-۱۱۳۱ھ/۱۶۴۴-۱۷۱۸ء) علوم عقلی و نقلی اور علوم اعلی و فرعی میں کامل عبور رکھنے کے ساتھ محدث بھی تھے[3] سید ابوبکر سورتی (م بعد ۱۱۲۸ھ/۱۷۱۵ء) نے "المقامات الہندیۃ" کے عنوان سے پچاس مقالے لکھے جن کے مخطوطے پشاور، رامپور، بہار اور آصفیہ میں موجود ہیں۔ شیخ ابوالمعارف عنایت اللہ لاہوری فقیہ اور ممتاز عالمِ دین تھے[4] شیخ بہاء الدین محمد بن تاج الدین حسن الاصفہانی المعروف فاضل ہندی (م ۱۱۳۷ھ/۱۷۲۴ء) بلند پایہ فقیہ اور محدث تھے۔ آپ نے فقہ اور بلاغت پر کتابیں لکھیں۔ شیخ نورالدین محمد صالح احمد آبادی گجراتی (۱۰۶۳ھ/۱۶۵۳ء) متقی، زاہد اور عابد تھے۔ آپ تفسیر، حدیث اور فقہ و منطق میں کامل دسترس رکھنے کے ساتھ متعدد تصانیف کے مالک تھے[5] قاضی محمد حسین جونپوری (۱۰۸۱ھ/۱۶۷۰ء) شاہجہان کے عہد میں جونپور کے قاضی تھے۔ عہدِ اورنگ زیب میں پہلے الٰہ آباد کے قاضی پھر محتسب مقرر ہوئے۔ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں انکی

۱۔ غلام علی آزاد بلگرامی، مآثر الکرام، مطبع مفید عام آگرہ ۱۹۱۰ء/۱۳۲۸ھ، ص ۲۲۱

۲۔ مولانا عبدالحی بن فخر الدین الحسنی، حیدر آباد دکن، بار اول، ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء، ج ۶ ص ۸۶

۳۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۹۶۔ مولوی فقیر محمد جہلمی ثم اللاہوری، حدائق الحنفیہ، نول کشور، لکھنؤ ۴۳۹۔

۴۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۳۵۷؛ حدائق الحنفیہ، ص ۴۳۹۔

۵۔ حدائق الحنفیہ، ص ۴۴۴؛ مآثر الکرام، ص ۲۱۹۔

گراں قدر خدمات شامل ہیں۔[1] سید عبدالجلیل بن میر احمد حسینی واسطی ثم بلگرامی (۱۰۷۱ھ/۱۱۳۸ھ/۱۶۶۰ء/۱۷۲۵ء) اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں بھکر، گجرات (پنجاب) سیوستان (سندھ) میں وقائع نگاری (بخشی گری) کے منصب پر خدمات انجام دیتے رہے۔[2] شیخ ابوالحسن نورالدین محمد بن عبدالہادی الحنفی السندھی ملقب بہ 'الکبیر' (م ۱۱۳۸ھ/۱۷۲۵ء) ذہانت و فطانت اور تقویٰ کی بنا پر بلند مقام رکھتے تھے۔ آپ کے انتقال پر مدینہ منورہ میں تمام کاروبار بند کر دیے گئے۔ مسجد نبویؐ میں حکام وقت نے آپ کے جنازہ میں شرکت کی اور جنت البقیع میں دفن ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ صاحب تصنیف تھے۔[3] جمال الدین ابوالسعادات مولانا مفتی نورالحسن البخاری، شیخ عبدالحق کے لخت جگر ہیں آپ علم و عمل میں اپنے والد محترم کی طرح تھے۔ شیخ صاحب آپ کو اپنا وجود ثانی کہتے تھے۔ آپ نے صحیح بخاری کی شرح 'تیسیر القاری' حاشیہ شرح جامی، اور معقول کی کتابوں کے حواشی لکھے۔[4]

شمس الحق شیخ رشید بن محمد مصطفےٰ عثمانی جونپوری المعروف بہ عبدالرشید (۱۰۰۰-۱۰۸۳ھ/۱۵۹۱-۱۶۷۲ء) کا 'رسالہ رشیدیہ' (آداب مناظرہ میں) درس نظامی میں شامل ہے۔ آپ نے اصول فقہ، فلسفہ، نحو، شرح (کتب مختلفہ) عربی میں تصنیف کیں۔ آپ فارسی میں شعر کہتے تھے۔ شمسی تخلص تھا۔ فارسی میں چند رسالے اور ایک دیوان بھی تھا۔[5] مولانا عبداللہ بن مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۹۴ھ/۱۶۸۲ء) اپنے والد کے نقش قدم پر تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ آپ کا اور آپ کی اولاد کا بہت احترام کرتا تھا۔ آپ کو صدارت عظمیٰ کی پیش کش کی گئی لیکن آپ نے مسترد کر دی۔ آپ نے متعدد حواشی اور شروح لکھیں۔ قاضی علی اکبر حسینی حنفی الٰہ آبادی (م ۱۰۹۰ھ/۱۶۷۸ء) فقہ اور قواعد عربی کے متبحر عالم تھے۔ آپ علامہ سعداللہ خان کے بیٹے اور بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے فرزند شہزادہ محمد اعظم کے بالترتیب استاد مقرر ہوئے۔ آپ کی علمی فضیلت

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ص ۵۳، ؛ مآثر الکرام، ص ۲۱۹،

[2] سبحۃ المرجان، ص ۷۹ وبعد ؛ نزہۃ الخواطر، ج ۶ ص ۱۴۰

[3] نزہۃ الخواطر، ج ۶ ص ۶

[4] ایضاً ج ۵ ص ۴۲۴ وبعد۔ حیات شیخ عبدالحق ص ۲۵-۲۶

[5] مآثر الکرام، ص ۲۳-۲۴ ؛ تذکرہ علمائے ہند ص ۷۹

کی بنا پر شہنشاہ عالمگیر نے آپ کو لاہور کا قاضی مقرر کیا۔ آپ نے 'فتاویٰ عالمگیری' کے ایک ربع کی نگرانی بھی کی عربی کے قواعد صرف پر تحریر کردہ کتب میں سے 'فصولِ اکبری' درسِ نظامی میں شامل ہے[1] نظام الدین برہانپوری اپنے عہد کے جید عالم تھے 'فتاویٰ عالمگیری' کے عظیم منصوبے کے نگران تھے[2]

ملا محمد اکرم بن ملا محمد یحییٰ لاہوری (۱۰۹۴ھ/۱۶۸۲ء) ممتاز عالم و مدرس تھے۔ آپ شہزادہ کام بخش کے معلم تھے۔ 'فتاویٰ عالمگیری' کے ایک ربع کی نگرانی آپ کے ذمے تھی۔ اردوئے معلی کے قاضی مقرر ہوئے۔ آپ کے بارے میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی فرماتے تھے 'کہ لاہور میں کوئی شخص ملا یحییٰ کے بیٹے کی فضیلت کو نہیں پہنچا، ان سب علمائے کرام کی شبانہ روز کاوشوں سے اس دور کی علمی حالت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

ان خداداد صلاحیتوں کے مالک اور جید علماء کے علاوہ محمد یعقوب (م ۱۰۹۸ھ/۱۶۸۷ء) محدث' فقہ اور معقولات میں جامع تھے۔ آپ مدرسہ دار البقاء میں درس دیتے تھے۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ نے آپ کو 'ناظر محاکم' مقرر کیا۔ آپ بہت سی کتب کے مصنف تھے، جن میں سے بیشتر ناپید ہیں صرف 'خیر جاری شرح صحیح بخاری' کا قلمی نسخہ بانکی پور میں موجود ہے[3] رضی الدین بھاگلپوری (۱۰۹۶ھ/۱۶۸۵ء) فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین میں سے تھے۔ آپ کو 'خان' کا لقب اور 'یک صدی' منصب عطا ہوا۔ ابنِ معصوم الدستکی (۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) میں مدینہ میں[4] پیدا ہوئے۔

مولانا محمد محسن کشمیری (۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء) المعروف 'کشو کشمیری' اپنے عہد کے ممتاز عالم و فاضل بزرگ تھے۔ آپ متعدد شروح اور حواشی کے مصنف ہیں۔ آپ کا اندازِ بیان اور طرزِ استدلال بہت دلچسپ

---

[1] مراۃ العالم، ج دوم ص ۴۵۷؛ نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۸۱

[2] سید صباح الدین عبدالرحمٰن: بزم تیموریہ، معارف اعظم گڑھ ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء ص ۲۳۸ وبعد؛ نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۴۳۰

[3] نزہۃ الخواطر، ج ۵ ص ۴۲۹ - ۴۴۰، مراۃ العالم ج ۲، ص ۴۵۴

[4] لیکن تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند میں آپکی تاریخ پیدائش (۱۰۹۲ھ/۱۶۸۱ء) دی گئی ہے جو درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ آپ سولہ سال کی عمر میں ہندوستان آئے اور پندرہ سال تک حیدرآباد میں رہنے کے بعد اورنگ زیب عالمگیرؒ سے ملے، اس نے آپ کو 'سید علی خان' کا خطاب عطا کیا اور مختلف مناصب پر بھی فائز ہوئے۔

اور موثر رہے۔ مولانا محمدؐ اعلیٰ بن حامد بن صابر الحنفی العمری التھانوی عالمگیر کے عہد میں تھانہ بھون کے قاضی تھے۔ آپ صاحب "کشاف اصطلاحات الفنون" ہیں۔ علامہ حامد حنفی جونپوری اپنے عہد کے عظیم فقہا میں سے تھے "فتاویٰ عالمگیری" کے مرتب کرنے والوں میں آپ بھی شامل تھے[۱] ان تمام علمائے کرام کی مساعیٔ جمیلہ سے اس دور میں علومِ عربیہ و اسلامیہ کو اچھی طرح پھلنے پھولنے کا موقعہ ملا یہی وجہ ہے کہ اس دور کو علوم عربیہ و اسلامیہ کا سنہری دور کہا جاتا ہے۔

---

[۱] نزہۃ الخواطر، ج ۲۳۴؛ مراۃ العالم، ج ۲، ص ۴۵۴۔